اقبال اور آرٹ

ڈاکٹر جاوید اقبال

دبستانِ اقبال
۲- ایس، گلبرگ ۲، لاہور

بروشر سیریز: ۳/۲۰۱۲

ناشر
میاں اقبال صلاح الدین
صدر
دبستانِ اقبال
۲-ایس، گلبرگ ۲، لاہور
Tel: [+92-42] 35778688
Email: info@dabistaneiqbal.com
Website: www.dabistaneiqbal.com

طبع اوّل : ۲۰۱۲ء
تعداد : ۱۰۰۰
قیمت : -/روپے

خط و کتابت: سیکرٹری دبستانِ اقبال، ۲-ایس، گلبرگ ۲، لاہور، فون: ۳۵۷۷۸۶۸۸

علامہ اقبال نے آرٹ یا فنونِ لطیفہ سے متعلق اپنی نثری تحریروں میں مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً اپنی نوٹ بک ''افکارِ منتشر'' میں ایک جگہ تحریر کرتے ہیں: ''آرٹ ایک مقدس جھوٹ ہے۔'' دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: ''سائنس، فلسفہ اور مذہب سب محدود ہیں، صرف آرٹ لامحدود ہے۔'' مرقع چغتائی کے دیباچے میں لکھتے ہیں: ''آرٹ حیات اور شخصیت کے تابع ہے۔'' پھر فرماتے ہیں: ''خدا اور انسان مسلسل تخلیق کے باعث زندہ ہیں۔'' اسی دیباچے میں تحریر کرتے ہیں: ''سوائے فنِ تعمیر کے اسلامی تمدن میں شاعری، مصوری، موسیقی و دیگر فنونِ لطیفہ نے ابھی وجود میں آنا ہے۔''

ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان تحریروں میں اقبال نے آرٹ کی مختلف ہیئتوں کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ مگر ان کا یہ قول کہ سوائے فن تعمیر کے اسلامی تمدن میں شاعری، مصوری، موسیقی و دیگر فنونِ لطیفہ نے ابھی وجود میں آنا ہے، واقعی غور طلب ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ یا ایسا کیوں ہوا؟ اسلامی تمدن میں خدا کے تصور اور قرآن مجید کی بعض آیات کی تعبیر کی روشنی میں اِس سوال کا جواب دیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک اللہ کے تصور کا تعلق ہے، علماء نے اُسے رحیم، رحمان یا معاف کرنے والے خدا کے مقابلے میں زیادہ تر بطور سخت گیر، جابر اور سزا دینے والا خدا ظاہر کیا۔ اور خصوصی طور پر مصوری میں، انسانی یا حیوانی شبیہ کی نقاشی کے سلسلے میں، اس تصور کا اطلاق اس طرح کیا جاتا رہا کہ مصور اگر انسانی یا حیوانی شبیہ کا سہ جہتی

نقش بنائے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے اُس میں جان ڈالنے پر مجبور کرسکتا ہے جو اس کے لیے ناممکن ہے، لہٰذا وہ سزا کا مستحق ہوگا۔ (اسے یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ سہ جہتی شبیہ کا نقش ایسا کامل بنایا جائے جس میں صرف جان ڈالنے کی کسر رہ جائے یا پھر بنایا ہی نہ جائے۔) بہرحال اس خوف کے سبب سہ جہتی شبیہی مصوری وجود میں نہ آسکی۔ جہاں تک مجسمہ بنانے کا تعلق ہے اُسے تو ویسے ہی بت سازی سمجھ کر معتوب قرار دے دیا گیا تھا۔ البتہ بے ضرر جیومیٹری طرز کی نقش ونگاری یا خطاطی نے فروغ پایا، لیکن اُس کا ناتا فنِ تعمیر سے جوڑ دیا گیا جو قابلِ اعتراض فن نہ تھا۔

قرآن مجید کی سورۃ شعراء (۲۶: آیات ۲۲۴ تا ۲۲۷) میں بیشتر اقسام کی شاعری معتوب قرار دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ''رہے شعراء تو اُن کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں، سوائے ان کے جو ایمان لائے، جنھوں نے نیک عمل کیے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا۔'' [تفہیم القرآن از سیّد ابو الاعلیٰ مودودی، جلد سوم، ص ص ۵۴۵، ۵۴۷، ۵۴۹]۔ سورۃ لقمٰن (۳۱: آیت ۶) میں ارشاد ہوتا ہے: ''اور انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو کلامِ دلفریب (لہوالحدیث) خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے علم کے بغیر بھٹکا دے۔'' بقول مولانا سیّد مودودی ''لہوالحدیث'' کے معنی ہیں: ''گپ، خرافات، ہنسی مذاق، داستانیں، افسانے اور ناول، گانا بجانا اور اسی طرح کی دوسری چیزیں۔'' [تفہیم القرآن، جلد چہارم، ص ص ۸، ۹]۔

مختصراً قرآن مجید کی ان آیات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو لوگ مسلم عوام کو تمدن یا ''کلچر'' میں غرق کرتے ہیں تاکہ اُنھیں زندگی کے سنجیدہ مسائل کی طرف توجہ کرنے کی ہوش ہی نہ رہے، وہ سب معتوب ہیں۔ اُن میں شاعر، ادیب، ناول نویس، مصور، مجسمہ ساز، موسیقار، رقاص یعنی فنونِ لطیفہ سے منسلک سب لوگ آجاتے ہیں۔ ظاہر ہے آیاتِ قرآنی کی انھی تعبیروں کے سبب فنِ تعمیر اور اس سے منسلک فنون کے علاوہ دیگر فنونِ لطیفہ فروغ نہ پاسکے۔

البتہ اس مرحلے پر یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ شاعری، مصوری، موسیقی وغیرہ کی صورتوں میں جو فنون بھی کسی نہ کسی طرح فروغ پا سکے، ان کے ماہرین نے علماء کی تعلیمات کو رد کرتے ہوئے صوفیاء کی تعلیماتِ محبت و اخلاص کے زیر اثر نام پیدا کیا۔ اگرچہ مجسمہ سازی کے فن کو بت پرستی گمان کرتے ہوئے، اُسے نجس سمجھ کر، ہاتھ نہ لگایا گیا، لیکن سہ جہتی شبیہی مصوری کی حرمت کے باعث دو جہتی شبیہی مصوری پر اعتراض نہ کیا گیا۔ اسی طرح صوفیانہ رقص، حادثہ کربلا کی تماثیل، مرثیے اور اسی طرز کے دیگر فنون خصوصی طور پر عجمی مسلم ممالک میں عام ہوتے چلے گئے۔

''متواحد'' فن کاروں کی عجیب و غریب حکایات محفوظ ہیں۔ مثلاً حضرت داؤدؑ موسیقی و راگ کے ایسے ماہر تھے کہ جب وہ اپنے ساز پر نغمے گاتے تو اُن کی خوش الحانی کے سبب انسان کیا چرند و پرند بھی اُنھیں سننے کے لیے جمع ہو جاتے۔ اطالیہ کے شاعر و مجسمہ ساز مائیکل اینجلو کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ کسی میدان میں پتھر کی چٹان رکھوا کر لحظہ بھر کے لیے اُسے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو کر دیکھتا اور اُسے اس میں چھپا ہوا مجسمہ نظر آ جاتا۔ پھر وہ چٹان کے اوپر چڑھ کر اُسے اپنے اوزار سے تراشنے لگتا اور دوبارہ اُسے نہ دیکھتا جب تک کہ چٹان میں سے مجسمہ نہ نکل آتا۔ صوفیائے کرام کا فرمان ہے کہ خداوند تعالیٰ سراپا جمال ہے، اس بنا پر اس کی تخلیقِ کائنات یا فطرت میں قبح کہیں بھی نہیں۔ اس تصور کو حقیقت کا جامہ پہنانے کی ایک کوشش بارسیلونا (ہسپانیہ) کے ایک ماہر تعمیرات اینٹو نیو گاؤدی نے کی۔ یہ تعمیر ایک نامکمل کلیسا کی شکل میں ہے جو دیکھنے میں ایک جھاڑی کی طرح قبیح اور مکروہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اُسے حیرت سے دیکھتے چلے جاؤ تو اُس کے قبح میں بھی ترتیب اور حسن نظر آتا ہے۔ یہی کیفیت پیکاسو یا صادقین کے آرٹ پر نگاہ ڈالنے سے طاری ہوتی ہے۔

آرٹ کے مسئلے کے بارے میں علماء اور صوفیاء کے نقطہ ہائے نگاہ میں وہی فرق ہے جو افلاطون اور ارسطو کے نظریات میں ہے۔ مثال کے طور پر افلاطون کے خیال میں چونکہ شاعری اور دیگر فنونِ لطیفہ کی بنیاد جھوٹ اور مبالغہ پر استوار ہے اس لیے وہ اپنی نظریاتی ریاست سے ہر قسم کے شاعروں وغیرہ کو ملک بدر کرنے کا حامی ہے۔ دوسری طرف ارسطو کی نگاہ میں

شاعری یا دیگر فنونِ لطیفہ، انسان کی فطری کمزوریوں یا شدتِ جذبات سے بے قابو احساسات کا صحتمندانہ نکاس فراہم کرتے ہیں، اس لیے اُنھیں ردّ کر دینا دانشمندی نہیں بلکہ قبول کر لینا ضروری ہے۔ یوں وہ اپنے استاد افلاطون کا نام لیے بغیر اس کے نظریات کو غلط ثابت کرتا ہے۔

اقبال جب فرماتے ہیں کہ خدا کے علاوہ انسان بھی مسلسل تخلیق کے باعث زندہ ہے، تو پھر انسانوں میں خلاق جیسی انوکھی اور متواحد شخصیات کا روحانی مقام کہاں ہے؟ جب غالب کہتا ہے کہ میرے ذہن میں موضوعاتِ سخن ''غیب'' سے آتے ہیں یا شعر تحریر کرتے وقت میرے قلم کی سرسراہٹ دراصل فرشتے کی آواز ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ شاعر یا مصور کی تخیلی حرکت کا باعث کیا ہے؟ اقبال کے نزدیک ایسی شخصیات کی بھی خدا سے ہمکلامی ''القاء'' کی صورت میں ممکن ہے، جس طرح نبی کو ''الہام'' یا ولی کو ''کشف'' کے ذریعے ایسا تجربہ ہوتا ہے۔ یقیناً اللہ احسن الخالقین ہے، لیکن ''خالقین'' کی خاطر جمع کا صیغہ استعمال کرنے کا مطلب تو انسانوں میں خلّاق انسان ہی ہو سکتے ہیں۔ جاوید نامہ میں یہی سوال اقبال بھرتری ہری سے پوچھتے ہیں کہ شاعر یا اُس جیسے خلاق انسان کا مقام کہاں ہے؟ بھرتری ہری کا جواب ہے: ''کسی کو بھی معلوم نہیں کہ ایسی بے قرار روح کا مقام کہاں ہے۔ وہ اپنے فن کے پردوں میں چھپا رہتا ہے۔ نبی اور ولی تو دیدارِ الٰہی سے مطمئن ہو جاتے ہیں، مگر اُس کی بے چینی نہ وصال سے دور ہوتی ہے نہ فراق سے۔ اور اگر اُسے بہشت کی پیشکش بھی کی جائے تو وہ کائنات میں آوارہ پرواز کرتے رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔''

اقبال کے ہاں ایسے بے قرار و بے چین انسان کی خلاقی کی کس قدر اہمیت ہے؟ وہ جاوید نامہ میں خدا کے منہ سے ہی کہلواتے ہیں ؎

ہر کہ او را قوت تخلیق نیست　　پیشِ ما جز کافر و زندیق نیست
از جمالِ ما نصیبِ خود نبرد　　از نخیلِ زندگانی بر نخورد

(ہر وہ جو تخلیق کی قوت نہیں رکھتا۔ ہمارے نزدیک کافر و زندیق کے سوا کچھ نہیں۔ اُس نے ہمارے جمال میں سے اپنا نصیب حاصل نہیں کیا، لہٰذا وہ زندگی کے درخت کا پھل کھانے سے محروم رہا۔)

پیشتر اس کے کہ اقبال کے بحیثیت شاعرِ احیائے اسلام، ہم اُن کے اپنے تصور آرٹ پر بحث کریں، مناسب ہے کہ ذاتی زندگی میں اُن کی فنون لطیفہ سے وابستگی کا ذکر کر دیا جائے۔ آپ نے جب شعر کہنا شروع کیے تو عموماً گا کر کلام سناتے تھے۔ سیالکوٹ میں کالج کے ابتدائی ایام کی کاپیوں میں اُن کے ہاتھ سے لکھے راگوں کے سرگم سے ظاہر ہے کہ وہ گانے کی مشق بھی کیا کرتے تھے۔ بعد ازاں لاہور میں قیام کے دوران انجمن حمایت اسلام کے اجلاس میں وہ اپنا کلام گا کر سنانے لگے۔ گانا سننے کے بے حد شوقین تھے۔ محمد دین تاثیر نے اُن کے بستر پر بیٹھے داہنے ہاتھ کی انگلی اٹھا کر جھوم جھوم کر رقص کرنے اور شعر کہتے ہوئے روتے چلے جانے کا ذکر کیا ہے۔ خود ستار بجاتے اور فقیر نجم الدین سے طاؤس پر راگ سنتے تھے۔ مجھے شعر کو شعر اور نثر کو نثر کے طور پر پڑھنا سکھایا۔ آخری ایام میں مجھے حکم تھا کہ اُن کا کلام اُنھیں گا کر سنایا کروں۔ مجھے اُن کی ایک ہی غزل یاد تھی: گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر۔ ایک مرتبہ میں نے حالی کی نظم: وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا، سنائی تو آپ نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ دیوان علی بلھے شاہ اور دیگر پنجابی شعراء کا کلام اُنھیں ہارمونیم کے ساتھ گا کر سنایا کرتا۔ اُسی زمانے میں مصوری کے شوق کی ابتدا ہوئی۔ اُنھیں میری بنی ہوئی ایک پینٹنگ دکھائی گئی۔ آپ اتنے خوش ہوئے کہ میرے لیے فرانس اور انگلستان سے مصوری کی کتب منگوائی گئیں۔ فرمایا کرتے: جو بھی جاوید نامہ مصور کرے گا، بڑا نام پائے گا۔ (اُن کی زندگی میں تو ایسا نہ ہو سکا۔ مگر کوئی پچیس برس ہوئے ہمارے موجودہ گھر کی ایک دیوار پر پاکستان کے معروف مصور جمی انجینئر نے سارا جاوید نامہ مصور کر دیا ہے۔)

بحیثیت شاعر احیائے اسلام اقبال نے اپنے فارسی اشعار میں برصغیر کی محکوم اور غلام مسلم قوم کے آرٹ یا فنونِ لطیفہ بلکہ مذہب کو بھی شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ زبورِ عجم کے ایک حصہ ''در بیانِ فنونِ لطیفہ غلاماں'' میں اس سرزمین کی موسیقی کو ''زندگی سے بیزار'' اور سازوں کو ''ایک عالم کی موت'' قرار دیا ہے۔ مصوری کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بلا مقصد ہے۔ اس میں نہ ابراہیمی ہے نہ آذری۔ مختصراً اس میں نہ تو کسی نئی تحقیق کے لیے تجسس ہے اور نہ کسی نئی تخلیق کی لذت۔ مصوروں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔ ؎

کیش او تقلید و کاوش آذری ست ندرت اندر مذہبِ او کافری ست
گر ہنداین است مرگ آرزوست اندرونش زشت و بیرونش نکوست

(اُن کا مسلک تو دوسروں کی تقلید ہے اور عمل بت پرستی۔ اُن کے مذہب میں ندرت یا نیا پن کافری ہے۔ اگر یہی اُن کا ہنر ہے تو اُن کی آرزو مر چکی۔ ایسا آرٹ بظاہر تو خوب لگتا ہے لیکن بباطن بد ہے۔)

غلاموں کے مذہب کے متعلق فرماتے ہیں ؎

گرچہ برلب ہائے او نام خداست قبلۂ او طاقتِ فرمانرواست
آں خدا یکتاست ایں صد پارہ ایست آں ہمہ را چارہ ایں بیچارہ ایست
مذہبِ او تنگ چوں آفاقِ او از عشا تاریک تر اشراقِ او

(اگرچہ اُن کے لبوں پر ہر وقت خدا کا نام ہے مگر اُن کا اصل قبلہ تو فرماں روا کی طاقت ہے، خدائے حقیقی تو یکتا ہے لیکن ان کا خدا پارہ پارہ ہے۔ اصل خدا تو قادر اور باچارہ ہے پر انکا خدا مطیع و بے چارہ ہے۔ اُن کا مذہب اُن کی دنیا کی طرح تنگ ہے۔ اُن کی صبح اُن کی رات کی طرح تاریک ہے۔)

اردو اشعار میں ہنروانِ ہند کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار یوں کرتے ہیں ؎

چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ، بدن کو بیدار
ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ، بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار!

اپنے نصب العین کی وضاحت کے سلسلے میں فرماتے ہیں ؎

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے، وہ نظر کیا
مقصودِ ہنر سوزِ حیاتِ ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثلِ شرر کیا

شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

ظاہر ہے اقبال مسلمانانِ برصغیر کے ادب وفن کو قومی انحطاط کے دور کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ اُن کے نزدیک ایسا آرٹ جو حیات بخشی کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ حیات کُش ہے۔ اپنے قول کہ آرٹ حیات اور شخصیت کے تابع ہے، کے مطابق اُن کے خیال میں آرٹ کو بامقصد ہونا چاہیے۔ اسی سبب وہ آرٹ برائے آرٹ یا آرٹ قائم بذات کے قائل نہ تھے۔ اپنے ایک مقالہ ''جناب رسالت مآب کا ہمعصر شاعری پر تبصرہ'' میں تحریر کرتے ہیں:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حکیمانہ تنقید میں فنونِ لطیفہ کے اہم اصول کی توضیح فرمائی ہے کہ آرٹ میں جو کچھ خوب ہے، ضروری نہیں کہ وہ زندگی میں خوب سے مشابہت رکھتا ہو.....شاعری دراصل ساحری ہے اور حیف ہے اس شاعر پر جو قومی زندگی کی مشکلات اور امتحانات میں دلفریبی کی شان پیدا کرنے کی بجائے فرسودگی اور انحطاط کو صحت اور قوت کی تصویر بنا کر دکھائے۔ اُس کی ذمہ داری تو یہ ہے حیات وقوت کا جو حصہ اُسے ودیعت کیا گیا ہے، اُس میں اوروں کو بھی شریک کرے، آرٹ حیاتِ انسانی کے تابع ہے۔ تمام انسانی عمل کا منتہائے نظر شوکت، قوت اور جوش سے بھری زندگی کی تحصیل ہے۔ ارفع آرٹ وہی ہے جو ہماری خوابیدہ قوتِ عزم کو بیدار کرے اور ہمیں زندگی کی آزمائشوں کا دیوانہ وار مقابلہ کرنے کی ترغیب دے۔

کتنی انوکھی بات ہے کہ اقبال جس موسیقی یا گانے کو معتوب قرار دیتے ہیں، اُسے سننے کا شوق بھی تھا۔ رائج مصوری کو ناتواں، کمزور اور بے مقصد سمجھنے کے باوجود مرقع چغتائی کے لیے دیباچہ تحریر کیا۔ حقیقت دراصل یہی ہے کہ بنیادی طور پر آرٹ جذباتِ انسانی کا اظہار ہے۔ یہ جذبات مجازی یا مادی نوعیت کے ہوسکتے ہیں اور روحانی بھی۔ مگر اُن کے اظہار کے لیے آزادی کا ماحول ضروری ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آزادی کی حدود کیا ہیں؟ اسلام نے انسانی آزادی کو اخلاقیات کے دائرے میں رکھنے کی کوشش کی ہے لیکن اقبال تسلیم کرتے

ہیں کہ آرٹ ''لامحدود'' ہے۔ اگر آرٹ کو ایک ذریعے کے طور پر استعمال کرتے ہوئے توقع رکھی جائے کہ وہ کوئی ''پیغام'' دے (مثلاً ہماری قوت عزم کو بیدار کرے)، تو کیا وہ آرٹ رہے گا یا ''وعظ'' کی صورت اختیار کر لے گا؟ اقبال خود اعتراف کرتے ہیں کہ وہ شاعری کو ایک ذریعے کے طور پر استعمال کرتے ہیں کیونکہ وہ مسلم قوم کو ایک مخصوص پیغام دینا چاہتے ہیں، اس لیے ممکن ہے آئندہ نسلیں اُنھیں شاعر نہ سمجھیں۔ گویا پیغمبرانہ شاعری، شاعری نہیں بلکہ کچھ اور ہے، پند و نصیحت ہے، وعظ ہے۔ اسی طرح بقول اقبال آرٹ جو پیغمبرانہ خصوصیت رکھتا ہو، آرٹ ہونے کی بجائے پند و نصیحت ہوگا۔ مگر شاید اقبال کی نگاہ میں یہ وقت کی ضرورت تھی۔ ایک مردہ قوم کو از سرِنو زندہ کرنا مقصود تھا۔ پس اقبال مصوری، موسیقی اور دیگر فنونِ لطیفہ کو اپنی پیغمبرانہ شاعری کی طرح مسلم قوم کی احیا کے لیے وقف کر دینا چاہتے تھے۔

بہر حال ضروری نہیں کہ ہر ماہرِ فن، اخلاقی بندشوں سے آزاد ہو کر ہی اپنے جذبات وخواہشات کا اظہار کر سکتا ہے۔ دنیا میں ایسے مصوروں، صورت گروں، موسیقاروں کی مثالیں موجود ہیں، جنھوں نے روحانی جذبات سے مغلوب ہو کر آرٹ کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور قوموں کی تقدیریں بدل دیں۔ اُن کے شاہکار اپنی قوت تخلیق کے سبب آج بھی ہر کسی کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔

اگر بقول اقبال ایسی خلاق ہستیاں ''القا'' کے ذریعے خدا سے ہمکلام ہوسکتی ہیں تو عین ممکن ہے ارفع آرٹ ''نوائے سروش'' کی مانند، باہر سے نہیں بلکہ اُن کے اپنے اندر کی ہی آواز ہو۔ گویا تخلیق کا یہ فوارہ اُن کے اپنے اندر ہی سے پھوٹتا ہو۔ آخر خدا نے اپنی روح آدم میں پھونک رکھی ہے۔ اور بقول اقبال خدا اور انسان مسلسل تخلیق کے باعث زندہ ہیں۔ بہر حال فنونِ لطیفہ کے فروغ کے لیے لازم ہے کہ افلاطون یا علماء کی محدود نظر سے دیکھنے کی بجائے ہم پاکستان میں اُن کی ترقی کو ارسطو اور صوفیاء کی وسیع نگاہ سے دیکھتے رہیں۔ انسان کی فطری کمزوریوں کے پیشِ نظر خوب وناخوب کی تعبیر تنگ نظری کی بجائے وسیع النظری سے کریں اور یوں اسلامی تہذیب میں اُس آرٹ کو وجود میں لانے میں کامیاب ہو جائیں، جس نے ''بقول اقبال''، ابھی وجود میں آنا ہے۔

The teaching of the Qur'an that life is a process of progressive creation necessitates that each generation, guided but unhampered by the work of its predecessors, should be permitted to solve its own problems.

(*The Reconstruction of Religious Thought in Islam*)

بعض اہم موضوعات پر علامہ اقبال نے شعر یا نثر میں کچھ نہ کچھ تحریر کرنے کے منصوبے تو بنائے مگر زندگی نے وفا نہ کی، اس لیے اُن کی تکمیل نہ ہو سکی۔ مثلاً مہاراجہ کشن پرشاد کو خط میں بھگوت گیتا کا اردو اشعار میں ترجمہ کرنے کے ارادے کا ذکر کرتے ہیں۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کو خط میں انگریزی میں ایسی کتاب لکھنے کا ذکر کرتے ہیں جس کا عنوان ہوگا ''اسلام میرے نقطۂ نگاہ سے'' نذیر نیازی فرماتے ہیں کہ حادثۂ کربلا پر ہومر کے اوڈیسے کی طرز پر ایک طویل نظم لکھنا چاہتے تھے۔ جاوید نامہ میں اضافی ارواح سے ملاقاتوں کے بارے میں لکھنے کا سوچتے تھے۔ انگریزی میں ایک غیر معروف پیغمبر کی کتاب تحریر کرنے کا منصوبہ تھا۔

[وہ کام جو اقبال اُدھورے چھوڑ گئے از ڈاکٹر جاوید اقبال سے اقتباس]